پروفیسر ڈاکٹر علمی ضیا الکن
ترجمہ :۔ ڈاکٹر محمد ریاض

یورپ کی نشاۃِ ثانیہ میں مُسلم فکر کا حصہ

(اصل انگریزی مضمون استنبول یونیورسٹی کے شعبہ ادبیات کے مجلّے ، مجموعہ شرقیات کے شمارہ ۴۰ سال ۱۹۶۱ء میں صفحہ ۱ تا ۱۲ چھپا ہے) ۔

ساتویں سے دسویں صدی عیسوی تک اسلامی فکر و فلسفہ نے ترقی کے مراحل طے کر لیے تھے اور بعد کی تین صدیوں میں قابل قدر تصانیف منصہ شہود پر آئیں ۔ سسلی اور اندلس کے مراکز کے ذریعے عربی سے مغربی زبانوں میں ترجمے کا رواج بڑھ گیا تھا ۔ اس طرح مسلمانوں کی تصانیف کے زیر اثر یورپ میں نشاۃِ ثانیہ کی داغ بیل پڑنے کی راہ ہموار ہونے لگی اور رفتہ رفتہ موجودہ مغربی تمدن کی بنیاد پڑی ۔ اس تدریجی عمل کے ابتدائی اشارات حسب ذیل ہیں ۔

ابو القاسم بن عباس کو اہل یورپ حکیم جالینوس یونانی کے مرتبے کا طبیب مانتے اور تشخیص امراض کے بارے میں اس کی ہدایات پر عمل کرتے تھے ۔ ابو زکریا ابن العوام کی تالیف "کتاب الخلاصہ" جب لاطینی میں ترجمہ ہوئی تو یورپی کاشت کار اس میں بیان کردہ اصولِ زراعت پر عمل پیرا ہوئے ۔ ابن زہر اندلسی کی حذاقتِ دوا سازی کو اہلِ یورپ نے تسلیم کر لیا تھا ۔ مسلمانوں کی تالیف کردہ کتب ریاضی کو اہل یورپ نے معتدبہ حد تک اپنی زبانوں میں منتقل کیا اور یونانی ریاضی کو خیرباد کہہ دیا ۔ مگر چونکہ اندلسی عربوں نے ریاضی کی مبادیات پیش کی تھیں ، اس لیے اثر پذیری کے لحاظ سے اس مضمون کی اہمیت طب اور دوا سازی کے بعد ہے ۔ فلسفے کی اہمیت ریاضی سے بھی کم تر ہے ۔ جن ریاضی دانوں نے جہاں لاطینی میں سب سے پہلے اپنی شہرت کے جھنڈے گاڑے ، وہ علی بن عبد الرحمٰن بن یونس (م ۱۰۰۹ء) محمد بن جابر البتانی (م ۳۱۷ھ) اور ابو الحسن علی ابن الہیثم (م ۴۳۰ھ / ۱۰۳۹ء) تھے ۔

مسلمانوں کے ساتھ روابط استوار کرنے سے قبل ، مغربیوں کی موسیقی صرف مذہبی سرود پر مشتمل تھی

مشرقی ممالک کے مسلمانوں کی موسیقی نے اہلِ مغرب کو اس فن کے عمق اور تنوع سے روشناس کیا۔ اس ضمن میں ابوالفرج علی بن محمد (۸۹۷ - ۹۶۶) کی کتاب "مجموعۃ الالحان" اور ابونصر فارابی (م ۳۳۹ھ) کی تالیف "کتاب الموسیقی" کے تراجم بڑے موثر رہے ہیں۔ الفانس نے گیے ڈے ازیو نامی پادری کے بارے میں لکھا ہے کہ ۱۰۷۰ء میں اس نے پنج آہنگی سرود ایجاد کیا تھا۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ ایسا سرود مسلمانوں کے ہاں اس تاریخ سے بہت قبل موجود تھا۔ بہرحال اس میں کوئی شک نہیں کہ ہسپانوی امویوں نے اہلِ یورپ کو مشرقی موسیقی کے محاسن سے آگاہ کیا اور انھیں کلیسا کے بے کیف و محدود نوعیت کے مذہبی نغمات سے نجات دلائی۔

سالرنو کے معروف مکتب کو مسلمانوں نے قائم کیا تھا اور بعد میں اس پر اٹلی والوں کا قبضہ ہو گیا۔ سالرنو عربی سے یورپی زبانوں میں ترجموں کے سلسلے میں بھی ایک بڑا مرکز رہا ہے۔ اس مرکز کے ذریعے عربی زبان کی متعدد اصطلاحات خصوصاً علوم کیمیا، ریاضی اور موسیقی کی اصطلاحات یورپی زبانوں کا جزو بن گئیں۔

علم الاعداد کو سب سے پہلے ہندوستانیوں نے ایجاد کیا تھا۔ ایک سے دس تک اعداد کو عربوں نے ترقی دی اور اہلِ یورپ نے مزید تغیر و تبدل کر کے ان اعداد کو رومن ہندسوں کا نعم البدل قرار دیا۔ علم الحساب میں مسلمانوں کی خدمات کے سلسلے میں خوارزمی قابلِ ذکر ہیں۔

کاغذ کو چین میں ترکوں نے سب سے پہلے استعمال کیا۔ مسلمان فاتح قتیبہ پہلی بار سمرقند آیا تو اس نے وہاں چینیوں کے کاغذ اور بعض دوسری چیزوں کے کارخانے دیکھے تھے۔ کچھ عرصے بعد یوسف بن عمرو مکی نے ریشم کے بجائے روئی سے کاغذ بنانا شروع کیا۔ مسلمان ممالک میں کاغذ کی اتنی تیار مقدار تھی کہ مسیحی دور کے زمانے میں یورپ میں دمشق کے بنے ہوئے کاغذ کا بہت چرچا تھا۔ خود یورپ میں ۱۲۷۰ء تا ۱۴۰۰ء کے درمیانی سالوں میں کاغذ کا استعمال شروع ہوا۔ بارود اور قطب نما کے استعمال و افادیت کا پتا عربوں کو ترکوں کے ذریعے چلا تھا۔ عربوں کے توسط سے ان کی اہمیت کو یورپ نے معلوم کیا۔ یہ دعوی صحیح ہے کہ چینیوں نے سب سے پہلے قطب نما ایجاد کیا تھا۔ ابتدائی لیتھوگراف صورت میں چھاپنے کا کام بھی ان ہی ہاتھوں سے گزرا ہے۔ مغربی تمدن نے اندلسی عربوں سے اس آلۂ طباعت کے بارے میں سیکھا جس کے ذریعے مادی حروف و الفاظ کو غیر منقسم صورت میں کندہ کیا جاتا تھا اور گٹن برگ کے دور میں حروف کو جداگانہ کندہ کرنے اور چھاپنے کا انتظام ہو سکا ہے۔

اسلامی تہذیب و تمدن جوں جوں سسلی اور اندلس میں جاگزیں ہوتا گیا، ان مغربی مقامات کے قرب و جوار میں نئے تدریسی، فلسفیانہ اور علمی مراکز قائم ہونے لگے۔ قلمرو اسلامی کی پہلی یونیورسٹی اور درس گاہ، بغداد کا مدرسہ "نظامیہ" تھا جسے سلجوقی وزیر نظام الملک طوسی نے قائم کیا تھا۔ یہ درس گاہ اصل میں سلجوقی بادشاہوں اور عباسی خلفا کی مشترکہ مساعی سے قائم ہوئی تھی۔ مقصد یہ تھا کہ اس درس گاہ اور اس کے ذیلی ادارات کے ذریعے اسمٰعیلی اور باطنی تحریکوں کا مقابلہ کیا جاسکے۔ مستنصریہ اور الکمالیہ مدرسے اور حدود مغرب میں غرناطہ، قرطبہ، اشبیلیہ اور طلیلہ کی درس گاہیں کوئی معمولی حیثیت نہ رکھتی تھیں۔ یہ وہ یونیورسٹیاں تھیں جن میں تدریس کے ساتھ ساتھ تحقیق کا کام انجام دیا جاتا تھا۔ ان درس گاہوں میں عظیم طبیب، ریاضی دان اور فلسفی پڑھاتے تھے۔ درس گاہیں اتنی معروف تھیں کہ تعلیم کے جویا یہودی اور مسیحی ان کی طرف رخ کرتے تھے۔ چند مسلمان اطبا کو تشخیص امراض اور معالجے کی خاطر دوسرے مقامات کے لوگوں کے دعوت نامے ملتے اور کئی مشاہیر ان کی خدمت میں حاضر ہوتے۔ ۵۵۹ھ میں آسٹریا کا بادشاہ سانچو اول اپنے علاج کے لیے قرطبہ آیا اور یہاں کی درس گاہیں دیکھ کر بے حد متاثر ہوا۔ یہاں دوا سازی ابن زہر، ریاضی ابن یونس اور ابن الہیثم، اور فلسفہ ابن باجہ، ابن طفیل اور ابن رشد جیسے باکمال استاد پڑھاتے تھے۔ اٹلی کی سلرنو، اور فرانس کی "مونپلیے" اور "مونٹ پیلیر" نامی درس گاہوں میں بھی بڑے فاضل استاد جمع ہوگئے تھے اور ان میں عبرانی سے لاطینی میں ترجمۂ کتب کا کام بھی ہوتا تھا۔ یہ ایسے مراکز علم تھے جہاں سسلی اور اندلس کے اموی مدارس کے مطابق اسلامی علوم و فنون کو وسعت دی جارہی تھی۔

اہلِ مغرب کی خصوصی توجہ

گیارھویں صدی عیسوی کے اواخر سے اہل مغرب نے اسلامی مشرق کی طرف خاص توجہ مبذول کی۔ سسلی اور اندلس میں اسلامی درس گاہوں کی موجودگی، مغربیوں کے داخلی انتشار اور مختلف امور میں دوسروں کی مدد کی ضرورت کے احساس نے اہل مغرب کو مسلمانوں کے ساتھ خصوصی روابط و تعلقات قائم رکھنے کے لیے آمادہ کیا۔ اسی زمانے میں فرانس اور خاص کر نارمنڈی کے پادریوں کو اسلامی علوم سیکھنے کا احساس ہوا۔ کیپٹ خاندان کا فرانسیسی بادشاہ ROBERT جو گلبرٹ کا شاگرد تھا، علوم و فنون کے اکتساب کا حامی تھا۔ نارمنوں نے جنوبی اٹلی، کیمبریا اور سسلی کے علاقوں پر حملہ کیا اور اس دوران اسلامی مدارس کو دیکھ کر یہ

گیا۔ بعد میں اس نے اپنی قلمرو میں ایسے ہی مدارس قائم کرنے کے لیے بڑے شوق و شغف کا اظہار کیا۔ اس طرح سسلی اور نیپلز کے مدارس کے زیر اثر مندرجہ ذیل مرحلوں میں سرزمین یورپ میں اسلامی علوم و فنون پھیلنے لگے۔

پہلے مرحلے میں ہم دیکھتے ہیں کہ اٹلی، اندلس اور جنوبی فرانس کے بہت سے غیر مسلم طلبہ اسلامی درس گاہوں میں تعلیم پا رہے ہیں۔ یہی طلبہ جو ریاضی، فلسفہ اور ہیئت پڑھ رہے تھے، فارغ التحصیل ہونے کے بعد سرزمین مغرب میں قائم ہونے والی نئی یونیورسٹیوں میں مدرس مقرر ہو چکے ہیں

دوسرے مرحلے میں ہمیں مغربی درس گاہیں نظر آتی ہیں جو اسلامی یونیورسٹیوں کے نمونے پر قائم ہوئی تھیں۔ طرز تعمیر، نصاب اور اسلوب تدریس وغیرہ میں مغربی درس گاہیں مدارس اسلامی کے نمونے پر تھیں۔ نیپلز کی سلطنت میں سلرنو کی درس گاہ میں معانی و بیان، منطق، حساب، موسیقی، ہندسہ اور ہیئت کی تدریس ہوتی تھی بعد میں یہاں عربی زبان کے قواعد، ارسطو کی کتب اور مشائیوں کی شروح کو رائج کر کے تمام اٹلی میں پھیلایا گیا فریڈرک سسلی کا بادشاہ، سائنسی علوم و فنون کا سرپرست مانا جاتا ہے۔ اسی کے حکم سے ارسطو کی کتابیں عربی سے لاطینی میں ترجمہ ہوئی ہیں۔ نیپلز میں ایک درس گاہ اسی کے ایما پر قائم ہوئی ہے۔ الفنس اول کشامل اور لین نامی علاقوں کے حاکم نے اسلامی کتب کا مطالعہ کیا اور علم نجوم کے سلسلے میں جدول بنائے۔ غرض دوسرے مرحلے کی ان کوششوں کے نتیجے میں جدید سائنس انگلستان اور جرمن کی حدود میں داخل ہو گئی۔

تراجم

بارھویں اور تیرھویں صدی عیسوی سے یورپ والوں کو مسلمانوں کی جو کتب بھی دستیاب ہوئیں، ان میں سے بیشتر کو انھوں نے مغربی زبانوں میں منتقل کر دینے کی کوشش کی ہے۔ البتہ زیادہ کتب انھیں مل نہیں سکی ہیں۔ آتش اور جنگوں میں کئی مخطوطات تلف ہو گئے۔ بعض کتابوں کے لاطینی منتخبات ملتے ہیں جنھیں مترجمین نے اپنے اعتقادات کی روشنی میں اخذ کیا ہے۔ اس کے باوجود مترجمہ کتب کی بہت اہمیت ہے۔ قرون وسطیٰ کی تحریک تراجم کا ایک ممتاز رکن گندس سالوی DOMINICUS GUNDIS SALVI (متوفی ۱۱۵۱ء) ہے۔ یہ شخص سیگووائی کے کلیسا کا اسقف تھا۔ اپنے متعدد تراجم کے علاوہ اس نے فلسفہ ابو نصر فارابی کی تقلید میں خود بھی ایک کتاب لکھی۔ اس کتاب میں فارابی کی "احصاء العلوم" کا تتبع کیا ہے اور ارسطو و فارابی کے زیر اثر پہلی بار علوم سبعہ کے بارے میں روایات مغرب کے برخلاف

ہوئے نقطۂ نظر کا حامل دکھائی دیتا ہے۔ اس کے تراجم اور تالیف کے اثرات بعد کے مسیحی مصنفین کی نگارشات میں دیکھے جا سکتے ہیں۔ اس ضمن میں سینٹ تھامس اور البرٹ لے گرینڈ کی کتب کی طرف اشارہ کرنا کافی ہوگا۔ وجود باری تعالیٰ کے بارے میں سینٹ تھامس نے جو کچھ لکھا، وہ فارابی کی بحثوں سے ماخوذ و مقتبس ہے۔ فلسفۂ اسلامی نے فکر مسیحی پر جو ناقابل تردید اثرات ڈالے ہیں، ان میں ابو نصر فارابی کے افکار سرفہرست ہیں۔

عظیم عرب ہیئت دان اور ریاضی دان ابن ہیثم نے "تجربیت" پہ زور دیا ہے۔ اس کی "تجربیت" نے علم و فلسفے میں نقد و تحقیق کو جنم دیا ہے۔ مسئلہ "نور و روشنی" میں اس کی تحقیق نے "ادراک" کی نفسیاتی بنیادیں فراہم کی ہیں۔ "بصریات" پہ اس کی اہم تالیف "کتاب المناظر" کے لاطینی ترجمے نے اسے یورپ میں متعارف کرایا۔ کمال الدین ابو الحسن فارسی نے "تنقیح المناظر" کے نام سے اس کتاب کا فارسی خلاصہ پیش کیا۔ ابن ہیثم نے اپنے پیشرو علماء سے خوب استفادہ کیا تھا۔ حنین، ثابت حرانی، فرغانی، البتانی اور ابو عثمان سہل بشر کے فلسفے اس کے سامنے رہے ہیں۔ اس کی "تجربیت" نے بیکن کے افکار کو متاثر کیا۔ "بصریات" کی تحقیق کے بارے میں اس کے اثرات اس پر مزید ہیں۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ طبیعاتی تجربیت کے سلسلے میں ابن ہیثم کے جو اثرات یورپ پر پڑے ہیں، وہ ابوبکر رازی کے مقابلے میں کہیں زیادہ ہیں۔ "ادراک کی اہمیت" بیان کرنے میں ابن الہیثم نے اس کی تنگیٔ دامن پر انتقاد کیا ہے کیونکہ اس کی نظر میں "استقرا" منطق سے برتر ہے، اس نے استقرا کو حقیقی سائنسی تحقیق کی بنیاد قرار دیا ہے۔

بو علی ابن سینا

ابن سینا کو سرزمینِ مشرق میں مکتب مشائی کا نقطۂ عروج جاننا چاہیے۔ جو فکری تحریک الفارابی سے شروع ہوئی تھی، ابن سینا نے اسے پختگی بخشی اور اپنی ہمہ گیر تصانیف کے ذریعے یورپ پہ نمایاں اثر ڈالا۔ دورِ ترجمہ میں ابن سینا کی بہت سی کتابیں یورپ میں متعارف ہوئیں۔ "کتاب الشفا" شیخ الرئیس کی عظیم تالیف ہے جو سولھویں صدی عیسوی میں "SUFFICIENTIA" کے عنوان سے لاطینی میں ترجمہ ہوئی۔ مگر یہ ترجمہ اور اس کی رو سے کتاب کا جرمن ترجمہ دونوں نامکمل ہیں۔ ابن سینا کی دوسری اہم کتاب "کتاب النجاۃ" ہے جس میں اس کا سارا نظامِ فلسفہ بطور خلاصہ موجود ہے۔ "الاشارات" کا فرانسیسی ترجمہ "گاتشن" نے مکمل کیا تھا۔ شیخ الرئیس کی ایک تالیف "کتاب النفس" ہے جس کا ۱۵۴۶ء میں انڈریا الپاگو نے

لاطینی میں ترجمہ کر دیا تھا۔ ای۔ ایچ۔ ون: ایک نے بیسویں صدی کے اوائل سے اسے انگریزی میں منتقل کیا اور "خلاصۂ روح" کے نام سے اسٹیڈیونہ سے شائع کروا دیا۔ لینڈاور کا جرمن میں ترجمہ متن ۱۸۷۵ء میں چھپا تھا۔ کتاب النجاۃ مذکور کا چھٹا باب الیف رحمٰن نامی شخص نے انگریزی میں ترجمہ کیا اور "نفسیات ابن سینا" کے نام سے جداگانہ شائع کر دیا۔

جیسا کہ بی۔ ہینبرگ نے بیان کیا ہے، ابن سینا کی کتب کے تراجم کا اہل یورپ کے افکار پر غیر معمولی اثر پڑا ہے۔ کئی مسیحی فلسفیوں نے اس دور میں ارسطو کے بجائے ابن سینا کے نظریۂ علم کو اپنایا ہے۔ راجر بیکن کے "رنگ اشراق" میں فکر ابن سینا کی جھلک موجود ہے۔ بعض مصنفین کے ہاں ابن سینائی اثر ا اگسٹائنی اسلوب سے کہیں زیادہ نظر آتا ہے۔ مثلاً "عقول کی درجہ بندی" کے بیان میں مغربیوں نے فارابی اور ابن سینا کی تقلید کی ہے۔ البرٹس میگنس (ALBERTUS MAGNUS) خاص طور پر ابن سینا کے زیر اثر ہے۔ سینٹ تھامس نے اگرچہ ابن سینا پر انتقاد لکھا ہے، مگر جس طرح امام غزالی ابن سینا پر انتقاد لکھنے کے باوجود اس کے زیر اثر رہے، یہی حال سینٹ تھامس کا بھی ہے۔ سرزمین یورپ میں ابن سینا کی شہرت میں جوہانس ہسپانس کی کوششوں کا بڑا ہاتھ ہے۔ یہ یہود الاصل مصنف ابن داؤد کے نام سے مشہور رہے۔ "کتاب النفس" (DE ANIMA) کے لاطینی ترجمے میں اس نے گنڈلس سالوی کے ساتھ شائع کی تھی۔ مابعد الطبیعاتی موضوعات پر ابن سینا کی مندرجہ ذیل سات کتابوں کو ابن داؤد نے لاطینی میں ترجمہ کیا اور ۱۴۹۵ء سے ۱۵۰۰ء کے درمیانی سالوں میں الکیس" مجموعہ" (OPERA) کے نام سے دوبار وینس سے شائع کروایا ہے:

(۱) فی المنطق (۲) کتاب الشفا (۳) فی معرفۃ النفس الناطقہ (۴) مقالہ فی النفس (۵) کتاب العقل (۶) فلسفۃ العلی (۷) کتاب النفس[1]

یہ بات یقینی ہے کہ ابن سینا کی کتب کے لاطینی تراجم نے اہل مغرب کے انداز فکر پر غیر معمولی اثر ڈالا ہے۔ ای۔ گلسن نے اپنے ایک تحقیقی مقالے میں ڈنز سکاٹ پر ابن سینا کے اثرات کا تذکرہ کیا ہے۔ روح انسانی کو ابن سینا نے "نفس کامل منزہ" اور "جوہر غیر عرض" قرار دیا ہے۔ یہ بات ارسطو نے بھی لکھی ہے مگر روح کی ابدیت

---

[1] ابن سینا کی ان اور جملہ کتابوں کے نام مختلف فیہ ہیں۔ (مترجم)

اور بدن سے اس کی بے نیازی کو جس طرح ابن سینا نے کر کے بیان کیا، وہ روش فلسفی ڈیکارٹ (DESCARTES) کے ہاں دیکھی جا سکتی ہے۔ روح کی ابدیت اور بدن سے بے نیازی کی بات سمجھانے کی خاطر ابن سینا نے "مشابہت" (IDENDITY) اور "وحدت" کی دلیلیں دی ہیں اور کئی مغربی فلسفیوں نے دلائل سے کام لیا ہے۔ ابن سینا ور بعض مقدم فلسفیوں نے "سائر فی الآفاق" شخص کی مثال سے روح کی پرواز سے بحث کی ہے۔ یہ مثالیں ناد نجر اور اس کے مقلدین کے ہاں ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔

آخر میں اس امر کی طرف اشارہ کر دیا جائے کہ فلسفہ اشراق نے اگرچہ نو افلاطونیوں کے زیر اثر ترقی کی، مگر ں فکر کو ابن سینا نے ہی آغاز کیا تھا، فارابی کے نظریۂ "عقل فعال" میں ابن سینا نے "صور المعقولہ" (قابلِ فہم صور) ء تصور کا اضافہ کیا اور اس کی تقلید میں مغرب کے مختلف رجحانات نے جنم لیا ہے۔

ن باجہ ابوبکر محمد (متوفی ۵۳۹ھ)

اندلس کے مشائی فلسفی ابن باجہ کی عربی کتب اور ان کے بیشتر تراجم بدقسمتی سے تلف ہو گئے ہیں۔ مگر یہودی ل مصنف مائز ڈے ناربونے (MOISE DE NORBONNE) نے اس فلسفی کو خاصا متعارف یا ہے۔ سولہویں صدی عیسوی کے اس مصنف نے ابن باجہ کی کتاب "تدبیر المتوحد" کے چند ابواب ترجمہ کے اپنی تالیف میں شامل کیے اور اسی کی وجہ سے مشرق و مغرب میں یہ مسلمان فلسفی متعارف ہوا۔ "تدبیر المتوحد" ابن طفیل کے افکار پر بھی اثر ڈالا اور اس بات کا ذکر آ رہا ہے۔

رُشد

ابن رشد (متوفی ۵۹۵ھ/۱۱۹۸ء) کی سب تالیفات لاطینی میں ترجمہ ہو گئی تھیں اور اسی لیے وہ مشرق ت کے مقابلے میں عالم مغرب میں زیادہ مشہور ہے۔ اگرچہ اس کا اپنا مستقل فلسفہ ہے، مگر دنیا میں وہ ارسطو شارح کی حیثیت سے زیادہ معروف ہے۔ ابن رشد کا فلسفہ صدیوں تک یورپ میں رائج رہا اور یورپ میں تب (AVERROISM) کا آخری بڑا نمائندہ SIGER DE BRABANTE تھا۔

تھامس پہلا شخص تھا جس نے ابن رشد کے فلسفے پر انتقاد لکھا ہے۔

ابن رشد ارسطو کا سرگرم شارح تھا۔ وہ دوسرے شارحین پر انتقاد کرتا ہے کہ انھوں نے ارسطو کے مطلب صورت میں پیش نہیں کیا۔ وہ کوشش کرتا ہے کہ ارسطو کی شرح اس طرح پیش کرے کہ وہ حقیقی مواد افلاطونی

اثرات سے پاک ہو۔ قرونِ وسطیٰ میں ارسطو کے افکار کو صحیح سیاق و سباق کی روشنی میں جاننے کے طالب لوگ ابن رشد کی شروح کی طرف رجوع کرتے تھے۔ بعض مستشرقین مثلاً کیسری، روسی اور جوردین نے غلطی سے ابن رشد کو "ارسطو کا پہلا عرب مترجم" قرار دیا ہے، حالانکہ ابن رشد نہ یونانی جانتا تھا نہ سریانی کہ وہ ایسے تراجم انجام دے سکتا۔ حقیقت یہ ہے کہ ابن رشد سے بہت قبل دوسرے مصنفین نے ارسطو کے رسد کا عربی میں ترجمہ کر دیا تھا۔ البتہ اس فلسفی کی شروح نے مصنف کو یورپ میں متعارف کروایا ہے۔ ارسطو کے جس متن کی ابن رشد نے شرح لکھی ہے وہ ۱۲۵۲ء میں وینس سے چھپا ہے۔ جیساکہ ارنسٹ رینان نے لکھا ہے، اس متن و شرح کی رو سے ابن رشد کی دو خصوصیات سامنے آتی ہیں۔

۱۔ طبیب تھا جو اس کے مجموعہ مقولات سے واضح ہے۔ (۲) ارسطو کا شارح، جس کے دو ذیلی عنوان ہو سکتے ہیں۔

ا۔ ارسطو کی کتب و رسائل کی شرح۔ ب۔ ابن رشد کی مستقل تصانیف جن میں ارسطو کے انکار کی جھلک دکھائی دیتی ہے۔ یہ تصانیف حسب ذیل ہیں۔

(۱) تہافت التہافہ۔ یہ کتاب امام غزالی کی تالیف "التہافۃ" کے جواب میں لکھی گئی اور عبرانی و لاطینی کے علاوہ اس کا انگریزی ترجمہ بھی دستیاب ہے۔ (۲) فصل المقال۔ اس اہم رسالے میں ابن رشد نے نہایت جامع طریقے سے شریعت و حکمت کو مربوط کرنے کی کوشش کی ہے۔ رسالہ عبرانی اور متعدد دوسری زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے۔ (۳) منہج الادلہ، جو فلسفہ و کلام کے اہم مباحث پر مشتمل ہے۔ کتاب عبرانی اور لاطینی میں ترجمہ ہو چکی ہے۔ (۴) المجتہد۔ اس کتاب میں ابن رشد کے فقہی افکار ملتے ہیں۔ (۵) المستوفی۔ اس کتاب میں امام غزالی کے فقہی افکار کا خلاصہ ملتا ہے۔ اگرچہ اس کتاب کے پانچ میں سے تین ابواب لاطینی میں ترجمہ ہو گئے، مگر یہ کتاب یورپ میں چنداں معروف نہیں ہے۔ (۶) المجسطی[۵۸] علم نجوم پر ان کی تالیف ہے، جس کا لاطینی ترجمہ اور عبرانی خلاصہ متداول ہے۔ (۷) رسالۃ الطب۔ اس مجموعے میں ابن رشد کی طبی نگارشات یکجا ہیں۔ کتاب

---

[۵۸] یعنی ریاضیات فلکی بطلیموس (م ۱۴۲ء) نے "المجسطی" کے نام سے یونانی میں جو کتاب لکھی تھی، حنین بن اسحٰق نے اسے عربی میں ترجمہ کیا تھا۔

مع لاطینی ترجمہ سات جلدوں میں چھپ چکی ہے۔ دوسری، چوتھی اور ساتویں جلد کے جامع حسین پرویزن ہیں[3]۔ (۸) العرودیہ۔ یہ قابل قدر رسالہ ابن سینا کے ان اشعار کی شرح ہے جس میں مسائل طب سے بحث کی گئی ہے۔ (۹) رسالۃ التریاق، جس کا عربی متن نیز لاطینی اور عبرانی میں ترجمہ متداول ہے۔

ابن رشد عالم اسلام میں زیادہ متعارف نہ ہو سکا اور اس کی کتب گوشہ گم نامی میں پڑی رہیں۔ اس کی وجہ[4] یہ ہے کہ اس کی کتب کے بہت کم مخطوطات مشرقی ممالک میں پھیل سکے۔ آخری عمر میں اس کی بے احترامی کی گئی، اور XIMANEZ کے حکم سے اس کی کتابوں کے مخطوطات جس طرح جلائے گئے، اس کی بھی ابن رشد کے فراموش کیے جانے سے گہرا تعلق نظر آتا ہے۔ حاکم مذکور کے حکم سے صرف غرناطہ شہر میں ابن رشد کی کتابوں کے اسی ہزار مخطوطے جلا ڈالے گئے تھے۔ اس طرح وہی مخطوطے محفوظ رہ سکے جو مغرب (مراکش) کے علاقے میں تھے۔ ارنسٹ رینان کی بحث کے مطابق ۱۶۰۰ء کے قریب سکالنگر نے اندلس میں ابن رشد کی کتب کے مخطوطات تلاش کرنے میں بہت کوشش کی مگر وہ کامیاب نہ ہو سکا۔

ابن طفیل (۱۱۱۰ - ۱۱۸۵ء)

XIMANEZ کے حکم سے جو قاہرانہ آتش زدگیاں ہوئیں، ان میں اشراقی فلسفی ابن طفیل اندلسی کی کتابیں بھی تلف ہوگئیں۔ اس وقت اس کی شہرت کا بیشتر دار و مدار اس فلسفیانہ ناول پر ہے، جس کا نام "حی بن یقظان" ہے۔ اس موضوع پر اس سے قبل ابن سینا نے سوچا اور ایک رسالہ لکھا تھا جس کا ابن العربی (م ۱۲۴۰ء) نے منظوم ترجمہ کیا اور ابو منصور[6] نے اس کی شرح لکھی تھی۔ ابن طفیل کا ناول البتہ نئے مطالب کا حامل ہے۔
کتاب ایک یتیم بچے کی داستان ہے۔ وہ پیدا ہوتا ہے تو خود کو بحر اٹلانٹک کے ایک جزیرے میں یکہ و تنہا پاتا ہے۔ اس کی مکمل ذہنی نشو و نما میں معاشرہ یا تہذیب کا کوئی ہاتھ نہیں ہوتا۔ ابن طفیل کا خیال ہے کہ

---

[3] JEAN PRN YERIN

[4] علمائے سو کی ان ریشہ دوانیوں کی طرف اشارہ ہے جن کی بنا پر ابن رشد متعدد بار عہدۂ قضائے شرعی سے معزول ہوا تھا۔ (مترجم)

[5] ابن طفیل کے اس ناول کو پروفیسر بدیع الزمان فروزانفر خراسانی مرحوم نے "زندہ بیدار" کے نام سے فارسی میں منتقل کیا ہے۔ تہران ۱۳۳۴ شمسی

[6] ابو منصور حسین اصفہانی معروف بہ "ابن زیلہ" متوفی ۴۴۰ھ مراد ہیں۔ (مترجم)

مابعد الطبیعاتی حقائق سیکھنے کی خاطر (جیسا کہ داستان میں اس یتیم بچے نے بیان کیے ہیں) تدریس و تعلیم کی ضرورت نہیں ہے۔ "حی بن یقظان" کا ۱۶۷۱ء میں ایڈیارڈو پوکوچیو (EDUARDO POCOCHIO) نے لاطینی میں ترجمہ کیا اور عربی متن کے ساتھ چھپوایا۔ اس کتاب کے موضوع پر بعد میں متعدد کتابیں لکھی گئی ہیں۔ فرانسس بیکن کا فلسفیانہ ناول اٹلانٹس اور کئی دوسرے مصنفین کے فکری ناول، ازاں جملہ رابنسن کروسو میں "حی بن یقظان" کی تاثیر دیکھی جا سکتی ہے۔ یہ کتاب عبرانی میں ترجمہ ہوئی اور ماریز ڈی نوربن نے اس کی شرح لکھی۔ اس کے علاوہ پوکوچیو نے اسے لاطینی اور انگریزی میں ترجمہ کیا۔ سائلان اور ریکلے کا انگریزی ترجمہ آج تک متداول ہے۔ ولندیزی زبان میں ۱۶۷۲ء اور ۱۷۰۰ء میں اس کا ترجمہ چھپا۔ جرمن اور فرانسیسی زبانوں میں بھی اس کے ترجمے چھپے ہیں، اور ان سب تراجم کا ذکر اس عظیم ناول کی اہمیت پر دلیل ہے۔

ابن خلدون (۱۳۳۲ - ۱۴۰۶ء)

مسلمان فلاسفہ کے اجمالی ذکر کے بعد اب علامہ عبدالرحمٰن ابن خلدون کے اثرات کی طرف اشارہ کر دیا جائے۔ شمالی افریقہ کا یہ مفکر، عظیم مورخ اور فلسفۂ تاریخ کا بانی مانا جاتا ہے۔ ابن خلدون پہلا مسلمان فلسفی ہے جس نے ان یونانی اور مسلمان فلاسفہ پر انتقاد کیا جو انسانی معاشرے کے بارے میں نظریاتی بحث کرنے کے علاوہ عملی اقدامات کے حق میں نہیں تھے۔ اس بحث کی تفصیلات کو مؤلف کی بربروں کے بارے میں عظیم تاریخی کتاب العبر کے شہرہ آفاق "مقدمہ" میں دیکھا جا سکتا ہے۔

کتاب سب سے پہلے بولاق (مصر) میں چھپی۔ پیرزادہ ملا اور احمد جودت پاشا نے جلد ہی کتاب کا ترکی ترجمہ شروع کروا دیا تھا، مگر اٹھارویں صدی عیسوی کے اوائل تک اہل فرنگ، ابن خلدون کے افکار سے ناآشنا رہے ہیں۔ سترھویں صدی کے اواخر میں ڈھربیلاٹ کتب شرقی کی ایک فہرست میں ابن خلدون کا ذکر کرتا ہے۔ سائلوشرے ڈے ساسی نے انیسویں صدی کے اوائل میں ابن خلدون کی عظمت پر توجہ دلائی ہے۔ اسی صدی کے اواخر میں ہیمر پرگسنال نے ابن خلدون کے چند ابواب کو فرانسیسی زبان میں ترجمہ کر کے چھپوا دیا۔ بعد میں اس نے مقدمے کے پورے متن کو شائع کروا دیا۔ وہ اس کا ایک منتخب متن بھی چھپوانا چاہتا تھا مگر یہ کام نامکمل رہا ــــ بیرن ڈے سیبن نے ۱۸۶۳ اور ۱۸۸۶ء کے درمیانی سالوں میں سارے متن کے فرانسیسی ترجمے کو تین جلدوں میں چھپوایا اور یہی ترجمہ ۱۹۳۸ء میں فوٹو پرنٹ صورت میں دوبارہ شائع ہوا ہے۔ اسی ترجمے کی رو سے مغرب کے حکما اور علمائے عمرانیات کے لیے ممکن ہوا کہ وہ مقدمے کے اصل متن کو ملاحظہ کر سکیں اور اس کے

بعد یورپی کتابوں میں عام طور پر ابن خلدون کا ذکر ملتا ہے۔ علمائے مغرب اسے علوم جدیدہ کا بانی قرار دیتے ہیں۔ اس کی تعریف و توصیف میں اب تک مقالات لکھے جاتے ہیں۔ فلسفۂ تاریخ اور فلسفۂ اجتماع کا اسے بالاتفاق بانی مانا جاتا ہے۔ باؤتھال کو ابن خلدون کی یہ دونوں حیثیتیں تسلیم ہیں۔ F - SCHULZ نے رائل ایشیاٹک سوسائٹی کے مجلے میں ابن خلدون کے بارے میں بڑے فکر انگیز مقالے لکھے۔ ان تحقیقات کا معاصر علمائے مغرب پر غیر معمولی اثر پڑا ہے۔ اس سلسلے میں اسوالڈ اسپنگلر اور مارکسی فلسفی BREISIG خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ اس وقت ترکی میں فنڈیکوگلو اور مصر میں ستطی العصری جیسے فضلا ابن خلدون کے بارے میں تحقیقات میں مصروف ہیں۔

متکلمین اسلامی کے اثرات - امام غزالی (م ۵۰۵ھ/ ۱۱۱۱ء)

ابن سینا پر انتقاد کرتے ہوئے امام محمد غزالی نے اپنی تالیف "التہافۃ" کے اٹھارویں باب میں اشاعرہ کے دلائل سے کام لیا ہے۔ مگر اسی بحث میں امام موصوف نے تشکیک کا رنگ پیش کیا ہے۔ عقل و حکمت کے رابطے کے بارے میں بعد میں ابن رشد اندلسی نے اپنی تالیف " تہافت التہافۃ " میں امام غزالی پر انتقاد کیا ہے۔ یہ دو مخالف نقطہ ہائے نظر جنھیں مسلمان مشائی فلسفیوں اور اشاعری متکلمین نے پیش کیا، علمی ترقی کی خاطر مفید رہے ہیں۔ تشکیک، عقل، ارادہ اور وجود کی اخلاقی بحثیں ہمارے زمانے تک جاری رہی ہیں۔ متکلمین کی آرا امام غزالی کی "التہافۃ" میں مندرج ہیں۔ یہ کتاب لاطینی میں ترجمہ ہوگئی تھی۔ اسی سلسلے میں امام موصوف کی دوسری تالیف " دلیل الحیرین " ہے جس کا عبرانی اور فرانسیسی ترجمہ دست یاب رہا ہے۔ البرٹس میگنس اور سینٹ تھامس اشاعری متکلمین پر انتقاد کرتے ہوئے ان کتابوں کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ دوسری طرف یہ میمونائڈ کے بھی زیر مطالعہ رہی ہے۔ امام موصوف کی " المنقذ من الضلال " کا فرانسیسی ترجمہ بھی متداول رہا ہے۔

مسلمان متکلمین کے یورپ پر اثرات فلاسفہ کے مقابلے میں دوسرے درجے پر ہیں۔ اسلام اور مسیحیت کا اختلاف اس کم اثری کا ایک سبب ہے اور اسی لیے مسلمان متکلمین معمولی طور پر یورپ میں متعارف ہو سکے ہیں۔ کچھ متکلمین فلاسفہ کی تصانیف کے ذریعے پہچانے گئے ہیں۔ البتہ امام غزالی کا یورپ میں پہلا تعارف بطور فلسفی کے ہوا ہے۔ یہ نکتہ یاد رہے کہ متکلمین کے موضوع پر اہل مغرب کی معلومات بہت ناقص رہی ہیں، اس لیے کہ:

(الف) معتزلہ کے بارے میں مغربیوں کی معلومات ناقص اور بالواسطہ تھیں اور وہ متکلمین کی اصل کتابوں

سے بہت کم استفادہ کر سکتے ہیں۔

(ب) امام غزالی کے بعد کے متکلمین یا تو یورپ میں متعارف نہ ہو سکے یا انتہائی ادھوری صورت میں۔ ہمارا اشارہ امام فخرالدین رازی، سیف الدین اموی، سراج الدین اموی قونوی اور علی بن محمد شریف جرجانی وغیرہ کی طرف ہے۔

ہسپانوی مستشرق آسن اپنی تحقیق میں یورپ پر امام غزالی کے اثرات سے بحث کرتا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ اثرات "التہافتہ" تک ہی محدود نہیں ہیں۔ گندس مالوی نے ۱۵۰۶ء میں مقاصد الفلاسفہ کا لاطینی ترجمہ وینس سے شائع کروا دیا تھا۔ جلد ہی امام کی تالیف "حقیقۃ الروح" کا لاطینی ترجمہ چھپ گیا۔ ان سب تالیفات نے علمائے مغرب کے افکار کو متاثر کیا ہے۔ ڈرمینیکا کلیسا کے ایک پادری ریمان مارٹی کی مساعی نے بھی امام موصوف کے افکار کو خاصا متعارف کروایا ہے۔

آسن لکھتا ہے کہ بعض مسیحی مصنفین مثلاً سینٹ آگسٹن نے امام غزالی پر اثرات ڈالے ہیں مگر اس نے اس دعوے کا کوئی ثبوت فراہم نہیں کیا ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ امام موصوف کے عصری ماحول میں شاید سینٹ آگسٹن کے افکار متداول رہے ہوں مگر امام غزالی کے براہ راست اثر پذیر ہونے کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ اپنی بحث میں آسن، امام غزالی کے زیر اثر مغربی یا مسیحی مصنفین کا محققانہ ذکر کرتا ہے۔ مورخ اور فلسفی ابوالفرج (BAR HEBRAES) اس مقالے کا ایک نمایاں کردار ہے۔ یہ شخص شام کے "کنیسۃ الیعقوبی" میں اسقف تھا۔ اس نے تیرھویں صدی عیسوی میں امام کی کتاب احیاء علوم الدین کے کئی ابواب کا اپنی کتابوں میں تحلیل و تجزیہ پیش کیا ہے۔ اس واقعہ کو "مسیحیت" کی روحانی اقدار کے امام غزالی سے متاثر ہونے کا نقطۂ آغاز جاننا چاہیے۔ ابوالفرج، کلیسائے مسیحی کا بڑا بارسوخ شخص تھا۔ اس نے مسیحی مدارس میں تدریس کی خاطر غزالی کی کتابوں کے منتخبات پیش کیے ہیں۔ یہ انتخابات ایسے تھے جو دین مسیحی کی تعلیمات سے متعارض ہیں۔ ان انتخابات میں حضرت علیؓ کے مقولات اور ابوالعلا معری کے اشعار بھی دیکھے جاتے ہیں۔ ولنسک اپنے مطالعہ غزالی کی بنا پر لکھتا ہے کہ اخلاقیات اور گناہ و ثواب کے بارے میں امام غزالی کے عقائد کو ابوالفرج نے توڑ مروڑ کر نقل کیا ہے مگر عام طور پر وہ امام غزالی سے متاثر ہے۔ اس کی نگارشات کا ادبی رنگ بھی احیاء علوم الدین کے مطابق ہے۔ افکار، امثال اور نتائج بحث میں کامل یگانگت پائی جاتی ہے۔ مگر چونکہ اس نے اپنے منابع کو بیان نہیں کیا تھا، اس لیے آسن کی تحقیقات سے قبل کسی

نے اس بات پر توجہ نہ دی کہ یہ مصنف ایک مسلمان متکلم کے زیر اثر لکھتا رہا ہے۔ اس کی نگارشات میں احیاء علوم الدین کے علاوہ "التہافۃ" "مقاصد الفلاسفہ، المنقذ من الضلال، المیزان اور المشکوٰۃ الانوار بطور ماخذ بحث نظر آتی ہیں۔

سینٹ تھامس بلاواسطہ یا رینان مارٹی کے توسط سے امام غزالی کے زیر اثر ہے۔ چودھویں صدی عیسوی میں تین مسیحی مصنف "اسباب و علل" کے بارے میں شاعری دلیلوں سے استدلال کرتے ہیں۔ یہ بلجوٹ، پنسی اور سلہن (SILHON) ہیں۔ C. BAEUMKER نے پہلی بار لوگوں کی توجہ اس امر کی طرف مبذول کروائی کہ امام غزالی کے ان اثرات میں گنڈس ساموی کے تراجم کا ہاتھ ہے۔ اس محقق کی بحث کے موافق شیخ بوعلی ابن سینا نے یورپ پر دو طرح سے اثر ڈالا ہے۔

(۱) بلاواسطہ، اپنی تالیفات کے ذریعے اور (۲) امام غزالی کی تالیفات مترجمہ گنڈس ساموی کے ذریعے۔ غزالی ایک لحاظ سے ابن سینا کے پیرو اور ایک دوسرے پہلو سے مخالف تھے۔ آپ نے پہلے ابن سینا کے افکار کی توضیح کی اور پھر شیخ کی بعض باتوں کا رد لکھا ہے۔ دونوں کی ہم فکری کی مثال کی خاطر ہم روح کی اقسام ثلاثہ کا ذکر کریں گے۔ ابن سینا اور غزالی دونوں کے بیان میں ساتھ گنڈس ساموی کے تراجم نے کچھ اصطلاحی امتیاز پیدا کر دیا ہے، مگر مفہوم وہی نفس نباتی، نفس حیوانی اور نفس حیوانی (یا نفس ناطقہ) کا ہے۔ آسن نے درست لکھا ہے کہ یورپ میں غزالی کے اثرات صرف رامن پارٹی تک محدود نہیں ہیں بلکہ متعدد مفکرین مغرب ان کے زیر تاثیر نظر آتے ہیں۔ امام غزالی نے "دین" کے دفاع میں "شرط بندی (BETTING) کی اصطلاح کو بار بار استعمال کیا ہے۔ PASCAL نے بھی اس مثال سے استفادہ کیا ہے۔ LACHELIER اور E. DEGAS نے ان عنوانات پر خوب روشنی ڈالی ہے۔ "شرط بندی" کا مفہوم کفار اور منکرین کو یہ بات سمجھانا ہے کہ بفرض محال معاد نہ ہو تو بھی نیک عمل لوگوں کا کچھ نقصان نہ ہوگا۔ اس کے برعکس بدکاروں کو محال معاد سے کچھ فائدہ نہ ملے گا۔

BLANCHET لکھتا ہے کہ نیکی کے حق میں ایسی باتیں متعدد مصنفین نے لکھی ہیں مثلاً ARNIBIOU مگر پاسکل نے یہ مثال رامن مارٹی سے مستعار لی ہے جو کہ امام غزالی سے اثر پذیر ہے۔ "خواب" کے بارے میں بھی پاسکل، غزالی کا ہمنوا ہے۔ دونوں حواس ظاہری کو دھوکہ قرار دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک زندگی خواب اور

خواب زندگی ہے۔ ان اشارات سے واضح ہے کہ امام غزالی نے مغرب کے متعدد مصنفین کو متاثر کیا ہے۔

تعصب و بے تعصبی

سرزمین مغرب کی "نشأۃ ثانیہ" مسلمان علما، فلاسفہ اور مفکرین کی کتب کے تراجم اور ان سے استفادہ کرنے کے ذریعے ممکن ہو سکی ہے۔ مگر اس بات کا ذکر نامناسب نہیں کہ اہل مغرب صدیوں تک اسلامی تہذیب و تمدن کے ساتھ معاندو متعصب رہے ہیں۔ تقریباً سترھویں صدی عیسوی سے علمائے مغرب تعصبات و تنگ نظری سے چھٹکارا حاصل کر سکے ہیں۔ LEIBNIZ اسلام پر ایک عام بحث کے دوران مسئلہ قضا و قدر کا استہزا کرتا ہے۔ مگر اس کے برعکس فلسفی کانٹ اس دینِ مبین کی تعریف میں رطب اللسان نظر آتا ہے کہ: "اسلام معجزات سے نہیں، فخر و ہمت کے کاموں سے اپنا امتیاز منواتا ہے۔۔۔ تقویٰ اور پاکیزگی کی تعلیم جو پیغامبر اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی توحیدی تعلیم سے مستفاد ہے، اس تعلیم نے بت پرستوں کو شرف انسانی سے مستفیض کیا ہے۔ روح اسلام میں جبر و اکراہ کی کوئی آمیزش نہیں۔ احکام الٰہی کی پابندی کی تعلیم و اصل اعلیٰ درجے کی شرافت انسانی کا درس ہے:"

حکیم المانی، گوئٹے اپنے "محمدؐ" نامی ڈرامے میں دین اسلام کا ہمدرد اور گرویدہ نظر آتا ہے۔ گوئٹے کی یہ کتاب VOLTAIRE کی اس نام کی ایک کتاب کا جواب ہے۔ اس کتاب میں گوئٹے نے دینِ اسلام کے بارے میں لکھا ہے: "بت پرستی کے خلاف صف آرا ہونے والے اس دین نے اپنے ماننے والوں کو خلوص و دیانت کا درس دیا ہے۔"

گوئٹے نے خود قرآن مجید پڑھا اور جیسا کہ میجرلین کے جرمن زبان میں مترجمہ قرآن مجید (مطبوعہ ۱۷۷۲ء) میں مذکور ہے، گوئٹے نے کئی آیات کو نوٹ کر لیا تھا۔ گوئٹے کی نگارشات کے زیر اثر جرمن ادب میں آنحضرتؐ کو "حاملِ دین فطرت" اور "پیغامبر عقل و دین" لکھا جانے لگا۔ میجرلین کے ایک سال بعد ۱۷۷۳ء میں بوالسن نے اپنا جرمن ترجمۂ قرآن شائع کروایا تھا۔ TORP ۱۸۴۸ء کی تالیف "زندگی محمدؐ" میں آنحضرتؐ کو "پیغامبر کبیر"، "مفکرِ عظیم"، "مومن کامل" اور "داعیِ دین فطرت" کے القاب سے یاد کیا گیا ہے۔

نیٹشے نے اگرچہ اپنی کئی تالیفات میں مذہب مسیح پر حملے کیے، اور ایک کتاب ردِ مسیحیت کے بارے میں لکھی ہے مگر اسلام کے بارے میں اس کی نظر معاندانہ نہ تھی۔ ای۔ فان۔ ہارتمان اپنی انگریزی تالیف "دینِ فردا

میں مسیحیت کو سامی ادیان میں ایک ترقی پسند مذہب قرار دیتا ہے، مگر لکھتا ہے کہ یہ دین خدائے واحد کے تصور کی راہ میں حارج ہے، اس لیے اس کی ترقی پسندی محدودیت کا شکار رہے۔ اس کی نظر میں "دین فردا" وہی دین بن سکتا ہے جو "توحید" کی حقیقی تعلیمات سے بہرہ مند ہو، اور ایسی خصوصیت صرف اسلام میں ہے۔

تھامس کارلائل کے تاثرات بھی ایسے ہی ہیں۔ نبی اکرم کی سیرت طیبہ کے بارے میں بعض دریدہ دہن مصنفین نے رکیک و بےہودہ باتیں لکھی ہیں۔ ان تعلیمات کے بارے میں کارلائل کہتا ہے : " ایسی باتیں گھٹیا، ایک گھناؤنا اور شرمناک فعل ہے۔

آگسٹ کمٹ اپنی تالیف " معاشرتی ترقی کے سہ گونہ مراحل کا قانون " میں دینِ اسلام کے ترقی پذیر کلامی اور نفسیاتی اصولوں کا اعتراف کرتا ہے۔

سپنگلر اسلام کا مسیحیت کے پروٹسٹنٹ فرقے سے مقابلہ کرتا ہے۔ اس کی نظر میں اسلام نے عقل و اشراق سے کام لینے کا درس دیا ہے اور گوتم بدھ، لیسنگ، والٹیئر اور CONFUCSUS کے اصلاحی افکار، اس دینِ مبین کی تعلیمات کی رو سے قابلِ عمل نظر آتے ہیں :

پروفیسر آسن نے اپنی ایک تحقیقی کتاب " اسلام اور ڈیوائن کمیڈی " میں ان اثرات کا ذکر کیا ہے جو محی الدین ابن عربی (م ۶۳۸ھ / ۱۲۴۰ء) نے الیغیری ڈینٹے (م ۱۳۲۱ء) پر ڈالے ہیں۔ کمبائن نے ان تحقیقات کا خلاصہ چھپوایا، اور ہیرولڈ سودرلینڈ نے اسے انگریزی میں منتقل کیا ہے۔ آسن نے اس تحقیقی تالیف میں بالتفصیل بتایا ہے کہ " ڈیوائن کمیڈی " کا مؤلف ابن عربی کی تالیفات الفتوحات المکیہ اور کتاب الاسرا کے زیر اثر رہا ہے۔ ڈینٹے کے بعض منصف ارادت مند ان تحقیقات کو بڑی بے رخی سے دیکھتے ہیں، مگر ابن عربی کی خوشہ چینی نے ڈینٹے کی شہرت کو کچھ نقصان نہیں پہنچایا۔ بقول آسن ڈینٹے نے ایک راسخ العقیدہ مسیحی ہونے کے باوجود اس طرح اپنے آپ کو مذہب و ملت کی قیود سے بالاتر ثابت کیا ہے۔

نشاۃ ثانیہ کا آغاز

بارھویں اور تیرھویں صدی عیسوی میں جب یورپ پر اسلامی تعلیمات کے اثرات نمایاں ہوئے، اس غیر معمولی تقلید کا ردِ عمل بھی شروع ہوا اور لوگ "یونانیت" (HELENISM) کی طرف مائل ہونے لگے۔ کی کشاکش نے انھیں سوچ بچار کے لیے آمادہ کیا اور ایسے رجحانات، احیائے علوم کا پیش خیمہ ثابت ہوئے ہیں۔

تیرھویں صدی عیسوی میں آکسفورڈ کا مکتب ترجمہ و توضیح کی سرگرمیوں کا ایک بڑا مرکز تھا۔ یہاں پہلی بار الیگزنڈر نگم نے ارسطو کے ان رسائل کا عربی سے لاطینی میں ترجمہ کیا جو جنت اور روح کے مسائل کے بارے میں ہیں۔ ہیکل سکاٹ نے ہیات و فلکیات کے موضوع پر ابن بطرج کی مشہور کتاب کا لاطینی میں ترجمہ کیا۔ اسی مترجم کے ہاتھوں ابن سینا اور ابن رشد کی بعض کتابیں لاطینی میں منتقل ہوئی ہیں۔ دیگر مترجمین میں رابرٹ کراسے ٹیسٹ (م ۱۲۵۳ء) اور راجر بیکن (م ۱۲۷۷ء) قابل ذکر ہیں۔ راجر بیکن نے ریاضیات اور علم الحیات کی کتابوں کا ترجمہ کیا ہے۔ اسی مصنف کے اخلاف میں فرانس بیکن ہے جو "علوم تجربی" کا ایک بہت عالم مانا جاتا ہے۔ اسی مصنف نے ابن سینا اور ابن رشد کے عقلی اور ابوبکر رازی نیز ابن ہیثم کے تجربی علوم کو اجاگر کیا ہے۔

پیرس یونیورسٹی ۱۲۱۵ء میں قائم ہوئی اور یہاں کے دارالترجمہ میں ارسطو کی کئی کتابیں لاطینی میں منتقل ہوئی ہیں۔ DEGREVE PHILL'PE GUILLAUME DEAUXERRE نے اس سلسلے میں بڑی کوشش کی ہے۔ G. AUVERGUE نے ابن سینا اور ابن رشد پر انتقادات لکھے۔ کتب ارسطو کی براہ راست تدریس کم تر تھی مگر مسلمانوں کے علوم و فنون عام طور پر متداول تھے۔ پادریوں اور بعض متعصب لوگوں نے اسلامی علوم پڑھائے جانے کے خلاف آواز بلند کی۔ یورپ نے رسائل ارسطو کی تدریس ممنوع قرار دی تھی۔ ۱۲۳۱ء میں اس فتوے کی تجدید کی گئی، جس کی رو سے ہر قسم کا فلسفہ پڑھنا آداب اخلاق کے منافی قرار دے دیا گیا۔ بعد کے سالوں میں پوپ نے یونیورسٹیوں کے خلاف اپنے رویے کو شدید تر کر دیا۔

راجر بیکن اور ڈن اسکاٹ نیز دیگر روشن مفکروں کو ہدف ملامت بنایا گیا۔ NILHOLOUS AUTRICURA متکلمین اسلامی کے زیر اثر تھا اور اسی بنا پر ۱۳۴۶ء میں اسے ملت مسیحی سے خارج قرار دیا گیا۔ پوپ کے فرستادے لوگوں کے عقائد معلوم کرتے اور معمولی سی روشن فکری کو بھی ناقابل معافی جرم قرار دیتے تھے۔ ابن رشد اور اس کے پیرووں کی کتابیں خاص طور پر ممنوع الاشاعت تھیں۔

چودھویں صدی عیسوی کے آخر تک یورپ میں علوم و فنون اور بظاہر دین مسیحی کے ماسوا ہر چیز کی مخالفت جاری رہی۔ ارسطوئیت کی مخالفت سے افلاطونی اشراقیت کی طرف توجہ کا رجحان بڑھا۔ اب منطق کی جدلیت سے زیادہ تجربیت (EMPIRICISM) کی حمایت کی جانے لگی۔ اس طرح فلسفۂ اسلامی اور حکمائے یونان

(باقی بر صفحہ ۴۰ پر)